ڈاکٹر محمد اشرف کمال: صدر شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر
ڈاکٹر شاہدہ رسول: لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، دی وومن یونیورسٹی، ملتان

رضا علی عابدی کے ادبی نشریئے اُردو سفرنامے کی روایت کا ایک نیا زاویہ

Abstract

Raza Ali Abidi is a famous writer and a retired BBC broadcaster. His BBC documentaries received much appreciation and great popularity among masses. Here we discuss social and civilized aspects of his documentaries which include Jernali Sarrak, Sher Darya and Rail Kahani. It has been noticed that all his documentaries have been published in a form of book.

Keywords: BBC, Civilization, Cultural Aspect, Documentaries.

رضا علی عابدی اُردو سفرنامہ نگاری میں ایک اہم نام اور مقام کے حامل ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے طول وعرض کے دورے کئے اور ان اسفار کا احوال اپنے پورے مشاہدے اور مطالعے کے زور سے اپنے تین سفرناموں ''جرنیلی سڑک''، ''شیر دریا'' اور ''ریل کہانی'' میں جمع کر دیے۔ ان تینوں سفرناموں کی خوبی یہ ہے کہ یہ بی بی سی (B.B.C.) کے پروگرام کے تحت تیار کئے گئے تھے۔ اس لئے اصولاً ان کو دستاویزی ادبی نشریے، ریڈیو یا ڈاکومنٹریز کہا جا سکتا ہے کیوں کہ خود مصنف ان کو سفرنامہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یہ سفرنامے انسانوں اور تہذیبوں ہی کا نہیں بلکہ شہروں کے جینے مرنے کا حال بھی سناتے ہیں۔ اس لئے رضا علیعابدی کے یہ سفرنامے اپنے موضوع کے حوالے بہترین سفرنامے قرار دیے جا سکتے ہیں۔

ہر چند کہ ''کتب خانہ'' بھی رضا علی عابدی کی تحقیقی کتاب ہے۔ اس میں بہت محنت اور لگن سے برصغیر کے کتب خانوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لیکن سفرنامہ نگاری کی صنف سے یہ کتاب الگ ہے۔ اس کے علاوہ ''جہازی بھائی'' وہ واحد سفرنامہ ہے۔ جس کو (B.B.C.) بی بی سی کے کسی پروگرام کے تحت نشر نہیں کیا گیا۔ اس میں بھی مصنف کا مشاہدہ، مطالعہ اور تخیل صاف طور پر نظر آتا ہے۔

رضا علی عابدی کی بنیادی شناخت ہی درحقیقت یہ سفرنامے ہیں۔ انھوں نے ان سفرناموں کے لئے خوب تحقیق کی۔ ان سفر ناموں میں جو لوگ بولتے ہیں رضا علی عابدی نے خود ان لوگوں سے گفتگو کی۔ اس لئے ان کے سفرنامے اُمیدوں، امنگوں، خوابوں اور تمناؤں کی کہانی کہتے ہیں۔ ان کے ہر سفرنامے میں جو چیز مشترک ہے۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ دو تہذیبوں کا موازنہ کیا۔

موجودہ دور کی گہما گہمیوں سے انہیں وہ سکون بھلا لگا جو ماضی میں تھا۔ ہر ادیب جس نے وہ پرسکون ماحول اور تہذیب دیکھی ہے۔ اس تہذیب کے مٹ جانے اور قدروں کے پامال ہونے کا نوحہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

رضا علی عابدی بھی یہ شکوہ کرتے ہیں کہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے والا انسان زندگی کی شب تاریک کو سحر نہ کر سکا۔ لیکن ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس ساری صورتحال کے باوجود ناامید نہیں ہوتے بلکہ ایک دانشور ادیب کی طرح وہ جہاں موجودہ دور کی قباحتوں کو دیکھ کر

اُن پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ وہاں نئی قدروں، نئے آلات اور نئی ٹیکنالوجی نے زندگی میں جن آسائشوں کو جنم دیا، اس کے بھی معترف ہیں۔ انہوں نے زیادہ کوشش یہ کی کہ وہ تاریخ کے دھندلے اوراق پلٹیں اور نئی تہذیب کی روشنی ان میں اس طرح بھر دیں کہ پرانی تہذیب بھی ''ماہِ تمام'' نظر آئے۔ جو لمحے گزر گئے جو زمانے بیت گئے وہ اپنے نقوش ہر جگہ ثبت کر جاتے ہیں اور ہم دورانِ سفر ان نقوش کو نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ رضا علی عابدی کہتے ہیں کہ:

> ''آپ چلتے جاتے ہیں اور ایک نہایت آباد سرزمین کی معاشرت، معیشت اور تاریخ آپ کے ہمراہ چلتی ہے۔ کہیں حیرت آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگتی ہے اور کہیں عبرت، منظر بدلتے جاتے ہیں۔ مگر وہ لڑی نہیں بدلتی جس میں وہ سارے کے سارے پروئے ہوئے ہیں''(۱)

رضا علی عابدی اپنے سفر ناموں میں نہایت دردمندی سے دو تہذیبوں کا موازنہ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ ماضی سے اپنی دلچسپی اور وابستگی کو بھی نہیں چھپا سکتے۔ انہیں اپنی بات ڈھکے چھپے اور خوبصورت الفاظ میں کہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی بات کو قاری کے دل پر نقش کرنا خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

ان سفر ناموں میں رضا علی عابدی نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ دکھایا وہ انہوں نے چشم تصور سے نہیں دیکھا بلکہ ان کا زبردست مشاہدہ ہے۔ یہ سفر نامے برصغیر کے مختلف علاقوں کے رہن سہن، تہذیب و ثقافت اور معاشرت کی داستان کہتے ہیں۔ ان سفر ناموں میں رضا علی عابدی نے متوسط طبقے کے محنت کش لوگوں کی بات اس انداز سے کی کہ وہ عوامل بھی پس پردہ نہ رہے۔ جو ان معصوم لوگوں کی محرومیوں کے ذمہ دار ہیں۔ یہ سفر نامے رضا علی عابدی کے بھرپور مشاہدے کے بعد تخلیق ہوئے۔

> ''رضا علی عابدی نے ان شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں نہیں بلکہ ان علاقوں کی ثقافت اور تہذیب کے اندر اس طرح سے سفر کیا ہے کہ ان تہذیبوں کا اصلی جوہر اپنے قاری کے سامنے لا کر رکھ دیا۔(۲)

ہر چند کہ رضا علی عابدی نے صحافت سے بڑا ڈکاسٹنگ کی طرف سفر کیا ہے مگر رضا علی عابدی اپنے اسلوب، مشاہدے، تخیل اور درد مندی کی وجہ سے ایک بہترین سفر نامہ نگار کہے جا سکتے ہیں۔ انتظار حسین لکھتے ہیں کہ:

> ''کہتے ہیں کہ نیند ایسی کم بخت چیز ہے کہ سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ نیند اور تخلیقی جوہر کا معاملہ یکساں ہے۔ تخلیقی جوہر بھی ایسی کم بخت چیز ہے کہ کیسی ہی ناسازگار صورت حال میں اسے پھنسا دو وہ اپنے اظہار کی صورت نکال لیتا ہے۔ اب ذرا سوچیئے کہ ریڈیو کے لئے ہمارے یہاں یاروں نے لکھ لکھ کر انبار لگا دیئے لیکن رضا علی عابدی نے اس وسیلہ سے اظہار کی جو صورت نکالی ہے وہ کسی صورت ریڈیائی سطح تک محدود نظر نہیں آتی۔ اس سطح سے اُٹھ کر ایک منجھے ہوئے ادبی اظہار کی صورت نظر آتی ہے۔(۳)

قارئین کے لیے لکھنا ایک الگ بات ہے مگر جب سامعین کے لیے لکھا جائے تو اس کے تقاضے اور ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں سفر

نامہ نگار کو کئی باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے اس نے آواز کے دوش پر اپنے تجربات کو دلکش انداز میں سامعین تک پہنچانا ہوتا ہے۔

محمود نظامی نے اپنے سفرنامے ''نظر نامہ'' کے دیباچہ میں سفرنامے کو مسافر نامہ قرار دیا۔(۴) تو یہ بات دونوں طریقے سے ہی درست ہے۔ اگر اسی تناظر میں رجا علی عابدی کے سفرنامے بھی لیے جائے تو انھیں بھی مسافر نامہ کہنا زیادہ درست ہوگا کیونکہ انھوں نے ان تمام اسفار میں اپنے مشاہدے اور اپنے اوپر گزرنے والی کیفیات کو بہت قریب سے محسوس کیا اور اپھر انھیں قارئین کے مطالعے کے لیے پیش کر دیا۔ ایسا کرتے وقت انھوں نے اپنے مشاہدات کو ان علاقوں کی تہذیب وثقافت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

رضا علی عابدی کے سفرنامے پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ سفرنامے روزنامچے نہیں ہیں بلکہ ان میں انھوں نے سفرنامہ نگار کی تمام ذمہ داریوں کو عمدہ طریقے سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ سفرنامے میں مختلف ممالک کی تہذیب، وہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور ان کی معاشرت کو منظرِ عام پر لانا ایک اچھے سفرنامہ نگار کی خوبی ہے۔ پھر یہ مناظر اس طرح بیان کئے جائیں کہ ان میں ادبی حسن بھی موجود ہو، یہی سفرنامہ نگار کی خوبی ہے۔

رضا علی عابدی کے اس دعوی کی روشنی میں کہ ان کے سفرنامے ادبی حسن لئے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے تمام سفرناموں کو پرکھا جائے تو اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ان کے سفرناموں میں دلکشی، رنگینی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ انداز میں تشبیہات واستعارات بھی نہایت چابک دستی سے استعمال کئے گئے ہیں۔

> اوپر وہاں، نچلے پہاڑوں کے پچھواڑے شفاف فضا کی شدید دھوپ میں برف سے ڈھکا ناگا پربت یوں لگ رہا تھا۔ جیسے شامیانے کے نیچے زمین اپنے سر پر تاج رکھے بیٹھی ہو۔(۵)

کتنی شعریت، کتنی دلکشی اور کتنی رنگینی ہے۔ اس منظر میں ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ منظر کو بیان نہیں کرتے بلکہ منظر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود کو بیان کرے اس کا سبب یہ ہے کہ ''جرنیلی سڑک'' ''شیر دریا'' اور ''ریل کہانی'' بی بی سی سے نشر کئے گئے۔ چونکہ یہاں سماعت کو زیادہ دخل تھا اس لئے رضا علی عابدی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ راہ میں ملنے والے لوگوں کی گفتگو ٹیپ میں محفوظ کر لی اور سامعین نے ہر علاقے کے لوگوں کے لب ولہجے سے خوب لطف اٹھایا۔ اس کی مثالیں زیادہ تر ''جرنیلی سڑک'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

> ارے کانٹا لاگورے دیوریا
> موپے گیل چلا نہ جائے
> چوئے چنا کی کھالوں گی
> تو لے چل گنگا پار(۶)

> ''وہ آپ سے پہلے تو گلے ملیں گے اور کہیں گے: آپ سے مل کر کے ہمارا دل جو ہے بہوت کھوش ہوا۔ آپ تو میم اور میمن کا ملک سے آتا ہے۔ ہم بھی اپنا زمانہ میں کابُل کا مور چا پر ہائی گلوٹی کا میم اور میمن کا ساتھ، سارجنٹ اور جرنیل کے ساتھ بسکٹ کا مربہ کھاتا تھا۔''(۷)

یہ مختلف لب ولہجے نہ صرف کتاب کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس بات کا بھی ثبوت ہیں کہ مصنف نے ان علاقوں

میں نہ صرف خوب تحقیقی کام کیا بلکہ ان کے لہجوں اور لفظوں کے پس پردہ محرک احساسات کو بھی تخلیقی سطح پر محسوس کیا۔ اپنے سفرناموں میں رضا علی عابدی نے جن مناظر کو بولنے کی دعوت دی، وہ انسان ہیں، اُن کے دُکھ ہیں، اُن کی ادھوری تمنائیں ہیں اور وہ محرومیاں ہیں جو بالآخر حسرتیں بن جاتی ہیں۔ ان کے ہر سفرنامے میں سوال و جواب اور گفتگو کا انداز ہے۔ کہیں کوئی منظر (انسان) اپنی نا قدری کا نوحہ کہہ رہ ہے۔ کہیں اچھی قدروں اور تہذیب کے مٹ جانے کا۔

''بہت برا گزرتا ہے کہ نکھلو جیسے پہلے تھا۔ اس طرح کا اب نہیں ہے۔ ادب نہیں رہ گیا۔ نہ بات چیت کرنے کا ڈھنگ کسی کو ہے نہ کچھ۔ جیسے پایا اسی طرح سے بول دیا۔ ایں؛ یہ بھی کوئی بات چیت ہوئی: ابے ہٹ۔ ابے یہاں آ تانگے والے اور پہلے کے زمانے تھے: اجی تانگہ روکئے۔ ہم کو کہیں چلنا ہے۔ ہم کو پہنچا دیجئے۔ اب تو اس طرح کا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتی کہ لوگ کیسے ہیں کیسے نہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ نکھلوٗ کیا چیز ہے۔ اس کو بگاڑ کر کے رکھ رہے ہیں۔''(۸)

رضا علی عابدی کے سفرناموں میں جو انسان اپنی داستان کہہ رہے ہیں وہ زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ رضا علی عابدی نے ان کی باتوں کو بڑی حوصلہ مندی سے سنا اور نہایت دردمندی سے بیان کیا۔ ان لوگوں کی محرومی پر وہ کچھ اس انداز سے تبصرہ کرتے ہیں۔

''سوچنے والے ضرور سوچتے ہوں گے کہ اس کا انجام کیا ہے، احساس محرومی کب تک ان زمینوں کا مقدر بنا رہے گا۔ کب تک ترقی اور تہذیب کے اصل دھارے سے کٹ کر رہنے والے یہ لوگ زندگی کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔ کب تک کاندھے پر ٹیپ ریکارڈر لٹکائے اور ہاتھ میں مائیکروفون اٹھائے لوگ پردیسوں سے آتے رہیں گے اور کب تک ان کے ایک ہی سوال کا ایک ہی جواب ملتا رہے گا؟(۹)

وہ انسان جو رضا علی عابدی کو راستے میں ملے بہت سادہ لوح تھے۔ اس لئے ان کی ضعیف الاعتقادی پر مصنف نے ان باشندوں کا مذاق اڑانے کی بجائے اُن کی باتیں بہت محبت سے اپنے سفرناموں میں بیان کیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا کہ ہر قاری خود سوچے کہ ان کی ضعیف الاعتقادی کے محرکات کیا ہیں، لکھتے ہیں:۔

''راہ میں جو انٹرویو لئے گئے ہیں، ان کے بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ان میں سب نہیں لیکن میرے بیشتر راوی راستے میں ملنے والے عام باشندے، سادہ لوح لوگ اور کہیں کہیں اَن پڑھ دیہاتی بھی ہیں۔ اِن کے متعلق بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ضعیف الاعتقاد ہیں، توہم پرست ہیں اور تاریخ کے جو قصے سینہ بہ سینہ

چلتے ہوئے ان تک پہنچے ہیں وہ مسخ شدہ ہیں اور سراسر غیر مصدقہ ہیں۔ ہوں گے لیکن میں نے ان لوگوں کی باتوں کو رد نہیں کیا ہے بلکہ دیانت داری سے ویسا کا ویسا نقل کیا ہے۔ باشعور قاری اور تجسس کا مارا ہوا محقق، دونوں ان باتوں کا لطف اٹھائیں گے کیوں کہ لوگ جو کہانیاں بنا لیتے ہیں، وہ فضا میں معلق نہیں ہوتیں یہ بات طے ہے۔''(۱۰)

رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں صرف انسانوں، تہذیبوں اور قدروں کے جینے مرنے کی داستان ہی نہیں ہے بلکہ ان کے سفر نامے بتاتے ہیں کہ انسانوں کی طرح شہروں کی بھی تقدیر اور کردار ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے شہروں کے جینے مرنے کا احوال بھی ان سفر ناموں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان شہروں میں روز افزوں صنعتی ترقی کی وجہ سے جو تبدیلیاں آ رہی ہیں ان کی بھی داستان ہے۔ معصوم اور سیدھے سادے لوگوں کی خوشیاں، ان کی بستیوں میں گہما گہمی اور بلند و بالا عمارتوں کی خاموشی کوئی چیز بھی مصنف کی نظر سے نہیں چھپ سکی۔

سفر نامہ نگار محض ظاہر کی آنکھ سے دیکھے ہوئے کو سادہ لفظوں میں بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سارے مشاہدے کو تخیل کے تال میل سے ادبی محسن کے ساتھ بیان کرے۔ وہ سفر نامہ کبھی بھی ادبی حُسن کا مظہر نہیں ہوتا جس میں تخیل کی چاشنی نہ ہو۔ سفر نامہ نگار بہت کچھ چشم تصور سے دیکھتا ہے۔ اس کے اپنے خیالات، اس کی دردمندی کبھی اُسے حیرت کے سمندر میں بہا لے جاتی ہے اور کبھی اس کی چشم تصور اسے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ:۔

فاعبرو ا یآولی الابصارِ

اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو(۱۱)

رضا علی عابدی کے سفر نامے زیادہ تر عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ خود بھی ماضی کی قدروں کو عزیز رکھتے ہیں اس لئے دورِ حاضر میں وہ بے اطمینانی کے مقابل اپنی چشم تصور سے ایک تصوراتی دنیا کی تشکیل کر کے اس کے اندر سانس لیتے، وہ سکون تلاش کرتے ہیں جو ماضی میں تھا۔

یہ سفر نامے پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ رضا علی عابدی نے یوں تو ہر کام لگن سے کیا ہوگا لیکن سفر نامہ نگاری میں وہ اپنے مشاہدے، تخیل اور تجربیت کو بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سفر کرنا اور کسی پڑاؤ کو منزل نہ سمجھنا رضا علی عابدی کا نصب العین ہے۔

اندر کچھ کھد بد ہوتی ہے، تلوؤں میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔ پھر ایک لہر آتی ہے اور وہ تھیلا کمر پر ڈال کسی لمبے سفر پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔(۱۲)

رضا علی عابدی کے سفر نامے روایتی سفر نامے نہیں۔ ان سفر ناموں میں سفر نامہ نگار نے جن ممالک اور علاقوں کا سفر کیا اُن

کی پوری تہذیب اور ثقافت قاری کے سامنے کھول کر رکھ دی مگر روایتی سفرناموں کی طرح ان کے ہاں عشق ومحبت کی وہ واردات نہیں ملتی جس میں روایتی ہیرو کا دامن ہمیشہ آگے ہی سے پھٹا ہوا ہوتا ہے۔کوئی ماہ رخ اس کا پیچھا نہیں کرتی۔اسی لئے انتظار حسین نے ان کے سفرناموں کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے رضا علی عابدی کے سفر کی داستانوں کو بہت الٹ پلٹ کر دیکھا مگر یہ بندہ خدا عجب مسافر ہے کہ سفر میں نہ کبھی رستہ بھولتا ہے نہ کسی ہرنی کا تعاقب کرتا نظر آتا ہے۔اگر چہ ہرنیاں راہ میں آتی رہی ہیں۔(۱۳)

رضا علی عابدی کے سفرناموں میں اس حسن کی کمی کے دو اسباب ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ کہ رضا علی عابدی بیسویں صدی کے ادیب ہیں اور بیسویں صدی کا انسان اپنی مشکلات اور مسائل میں اس قدر گرفتار تھا کہ اس کے پاس ان تفریحات کے لئے شاید وقت ہی نہیں تھا۔دوسرا سبب رضا علی عابدی کا بی بی سی سے منسلک ہونا ہے۔

''جرنیلی سڑک''''شیر دریا''اور''ریل کہانی''بی بی سی سے نشر ہوئے۔اس لئے شاید ان میں غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو اور گفتنی ناگفتنی میں بدل گئی ہو۔

لیکن انتظار حسین نے جو یہ کہا ہے کہ''اگر چہ ہرنیاں راہ میں آتی رہی''تو بے سبب نہیں کہا۔رضا علی عابدی ایک رومانوی ادیب ہیں اور فطرت،رنگوں اور مناظر کے رنگوں سے محبت کرنے والا ادیب نسوانی حسن کی رعنائیوں سے کیسے بے زار ہو سکتا ہے۔

رضا علی عابدی نے ریل کہانی میں جس خاتون کا ذکر کیا وہ اگر چہ ان کی شفقت کا مظاہرہ تھا لیکن دراصل اس وقت ان کی جمالیاتی حس بیدار ہوئی تھی۔دیکھئے کس رومانوی انداز میں اپنے آرام دہ بستر میں اس لڑکی کو سلا کر وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

میرا یہ کہنا تھا کہ وہ اٹھی،لپک کر میرے بستر میں لیٹی،میں نے اسے کمبل اوڑھایا جو اس نے اپنے اوپر کھینچ لیا اور دیکھتے دیکھتے اس کا سر ملائم تکیے میں دھنس گیا۔(۱۴)

اسی طرح رضا علی عابدی ہر رومانوی ادیب کی طرح چھپے ہوئے چہروں سے نقاب اٹھانے کے شدید آرزومند بھی دکھائی دیتے ہیں اور نسوانی حسن کی ذرا سی جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں۔

گفتگو ختم ہوئے مصاحبے ہوئے۔معانقے ہوئے اور ہم باہر نکلے بہت سے تانگے ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے جا رہے تھے جن میں برقعہ پوش عورتیں بیٹھی تھیں برقعہ کیا تھا سر سے پیر تک کپڑے کے تھان لٹکے تھے۔سر پر ٹوپی جیسی کوئی شے منڈھی تھی جس کے اوپر کلس جیسی چونچ نکلی تھی کیا مجال جو بدن کا ذرا سا حصہ بھی نظر آجائے اور کہیں چہرے کی کوئی جھلک دیکھنے کو مل جائے۔(۱۵)

رضا علی عابدی کے ہر سفرنامے کا اسلوب شگفتہ ہے۔اس میں مزاح کا عنصر بھی ہے۔بے ساختگی بھی ہے اور شوخی اور ظرافت بھی۔رضا علی عابدی کتنے ہی خشک موضوع پر بات کیوں نہ کر رہے ہوں ان کا انداز شگفتہ اور لہجہ دھیما ہوتا ہے رضا علی عابدی کی تحریروں میں مزاح کا عنصر جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ سفرنامے رضا علی عابدی کی شناخت ہیں۔رضا علی عابدی ایک ایسے سفرنامہ نگار ہیں جو کسی بھی پڑاؤ کو آخری

منزل نہیں سمجھتے بلکہ مسلسل چلتے رہنا ان کا نصب العین ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ پشاور سے کلکتہ تک جرنیلی سڑک کا سفر دوبارہ کرنا چاہتے ہیں۔

رضا علی عابدی نے ان سفرناموں میں اپنے قاری کو مختلف ممالک کی سیر اس انداز سے کرائی کہ قاری کے دل میں یہ تجسس پیدا ہوتا ہے کہ وہ براہ راست سفر کرے اور پھر ان کے سفرناموں کی صداقت پر ایمان لائے۔

رضا علی عابدی بنیادی طور پر انسانیت سے پیار کرتے ہیں۔اس لئے ان کے یہ سفرنامے بھی انسانوں کے مختلف جذبوں کی داستانیں ہیں۔ان میں جہاں رنج والم کی کیفیات ہیں وہاں پر پیار و محبت اور خوشی کے لمحے بھی ان سفرناموں کا ایک امتیاز ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رضا علی عابدی، جرنیلی سڑک، لاہور سنگِ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۳۔ص ۳۸۔

۲۔ قاضی عبدالرحمٰن عابد، ڈاکٹر۔''رضا علی عابدی۔سفرنامے سے افسانے تک غیر مطبوعہ مضمون۔

۳۔ انتظار حسین، نظریے سے آگے، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۴۔ص ۲۵۸۔

۴۔ محمود نظامی، نظر نامہ، لاہور، گوشۂ ادب، ۱۹۵۸ء، ص ۱۲

۵۔ رضا علی عابدی، شیر دریا، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۸۔ص ۳۷

۶۔ رضا علی عابدی، جرنیلی سڑک۔ص ۲۰۶

۷۔ ایضاً۔ص ۲۸۳

۸۔ رضا علی عابدی، ریل کہانی، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۱ ص ۱۷۸

۹۔ رضا علی عابدی، شیر دریا۔ص ۱۸۴

۱۰۔ رضا علی عابدی، جرنیلی سڑک۔ص ۱۰۹

۱۱۔ قرآنِ حکیم، بارہ نمبر ۲۸، سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر ۲

۱۲۔ انتظار حسین، نظریے سے آگے۔ص ۲۵۶

۱۳۔ ایضاً۔ص ۲۵۷

۱۴۔ رضا علی عابدی، ریل کہانی۔ص ۱۵۶